

رودادِ ابتلا: احمد رائف مصری

ترجمہ جناب خلیل الحامدی

(۷)

میں نے بھرف - ع سے کہا کہ اس پر مجھے کوئی اعتراض یا جھجک نہیں ہے کہ کچھ نئی باتوں کا مجھ سے اقرار کروالیا جائے اور میں اس اقرار نامے پر بھی دستخط کر دوں گا، لیکن کیا سابقہ بیانات کافی نہیں ہیں؟ میجر غیظ و غضب سے بھیری ہوئی آواز میں پھر کر بولا: اے ابن الکلب! کیا ہم بیانات میں رد و بدل کیا کرتے ہیں؟ ہم اصل حقائق معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد میرے سامنے کوئی چارہ نہ تھا ماسوائے اس کے کہ میں اپنے آپ کو تعذیب و تشدد کے سپرد کر دوں۔ اور میرے جسم کے مختلف حصوں میں جلتے ہوئے سگریٹ سجھائے جائیں۔ سگریٹوں کے داغ سے عرصہ دراز تک میرا چہرہ بگڑا رہا۔

مزید ستم یہ ہوا کہ ہمارے ایک اور دوست گرفتار کر لیے گئے۔ یہ صاحب بڑے ڈرپوک تھے، اور معمولی سے معمولی چیز سے اُن کا دل دھڑکنے لگ جانا تھا۔ مبینہ سازش کی کہانی تصنیف کرنے میں انہوں نے بھی مدد ہم پہنچائی۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ صفائی پیش کرنے کا کوئی حاصل بھی نہ تھا۔ بلکہ ہم پر لازم تھا کہ ہم عذاب سے نجات پانے کے لیے دروغ گوئی میں زیادہ سے زیادہ مہارت اور پختگی دکھائیں۔ یعنی اتنا اقرار کافی نہیں ہے کہ فی الواقع ہم نے سازش میں حصہ لیا ہے۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ سازش کے تمام واقعات باہم مربوط و ہم آہنگ ہوں اور ایک کڑی دوسری کڑی سے بڑی عمدگی کے ساتھ ملتی جلتے۔ اس لا حاصل مقصد کی خاطر کئی انسان نذرانہ جان پیش کر گئے۔

اسباب تفتیش کی زبان پر یہ فقرہ ہر نظر بند کے لیے جاری رہتا تھا کہ: "تیری موت آچکی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن مرنے سے پہلے تجھے کچھ نہ کچھ بتانا ضرور ہو گا۔" میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ اس عہد

کی حفاظت کرنے والے تمام ادارے تمام قوم کو اس نگاہ سے دیکھتے تھے کہ یہ پوری قوم عبدالمناصر کی حکومت کے خلاف سازش میں ملوث ہے۔ بس اس الزام کا ثبوت فراہم کرنے کی کسر ہے تاکہ شہریوں کو عدالت میں پیش کیا جاسکے۔ حکومت کو اس طرح کا تاثر دینا ان اداروں کے لیے اس لیے بھی ضروری تھا کہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ وہ جن مناصب پر براجمان ہیں وہ ان کے انتہائی اہل ہیں۔ اگر ملکی حالات پر سکون اور مستحکم ہوتے اور عوام اپنی دھن میں مگن تہذیب و تمدن کے فروغ میں مصروف ہوتے تو جیسا کہ بعض مؤرخین کا خیال ہے، ایسے اداروں کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے جن کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہا۔ ارکانِ سلطنت کی حفاظت کے لیے یہ بھاری بھرکم تنخواہیں کہاں سے دی جاتی ہیں؟ سول انٹیلی جنس، ملٹری انٹیلی جنس، ادارہ تفتیش عامہ، ادارہ تفتیش عسکری، خفیہ پولیس برائے صدر جمہوریہ انفرمیشن بیورو زیر نگرانی سامی شرف پرسنل سکرٹری عبدالغاصر۔ ان میں سے ہر ادارے کے ایک ایک دو دو مخبر ہر کوچے ہر بستنی، ہر شہر اور ہر سرکاری اور غیر سرکاری دفتر میں پاتے جاتے تھے۔ الخرمی تحفظ امن عامہ کے ان اداروں کے تحت جو عجز کام کر رہے تھے ان کی تعداد شاید عام شہریوں سے بھی زیادہ ہو۔ یہ اس سیاہ دور کی بات ہے جو گزر گیا اور ان شامِ شتاب وہ دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔

الوزعبل کی جیل میں میں سترہ دن رہا۔ ۲۸۔ اگست ۱۹۶۵ء کو میں اس میں داخل ہوا تھا اور تیرہ ستمبر ۱۹۶۵ء کو میں وہاں سے نکلا۔ ان تمام ایام میں لحظہ بھر بھی مجھے آرام نصیب نہیں ہوا۔ ”اوکھلی“ میں رہنے کی وجہ سے مجھے وہاں عجیب و غریب چیزیں دیکھنے کا موقع ملا۔ مثلاً:

ایک شخص گرفتار کر لیا گیا۔ تفتیش کے دوران اس کی جیب میں سے گیارہ ناموں کی ایک فہرست برآمد ہوئی۔ چنانچہ قدرتی طور پر وہ گیارہ افراد بھی گرفتار کر لیے گئے۔ یہ گرفتار شدہ شخص ان کی گرفتاری سے بے خبر تھا۔۔۔۔۔ اور یہ بھی میرے قریب ہی لوہے کی سلاخوں سے لٹکا ہوا تھا۔ انٹیلی جنس والوں نے جب یہ دیکھا کہ وہ گیارہ افراد طلبہ میں سے ہیں اور ان میں سے سب سے بڑے طالب علم کی عمر ۲۰ سال سے زیادہ نہیں ہے تو ان کے شکوک و شبہات کو مزید تقویت پہنچی کہ ہونہ ہو حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے یہ ”خام مواد“ ضرور استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان تین طالب علموں کو تین روز تک بے تحاشہ مارا گیا۔ اور ان سے یہ منوایا جاتا رہا کہ وہ فی الواقع حکومت کے خلاف انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے۔ انہیں اس قدر

زدو کوب کیا گیا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گئے اور آخر کار پولیس افسران مجبور ہوئے کہ ان کے بارے میں اس آدمی سے دریافت کیا جائے جس کی جیب سے ان کے ناموں کی فہرست برآمد ہوئی۔ مگر یہ کس قدر مضحکہ خیز بات تھی کہ بالآخر یہ تحقیق ہوا کہ اس شخص نے چند طلبہ کے نام اپنے طور پر منتخب کر کے ان کی ایک فہرست تیار کر رکھی تھی کیونکہ وہ اپنی بستی کے کلب میں ان کی ایک فٹ بال ٹیم تشکیل دینا چاہتا تھا۔

ایسے لطائف بھی پیش آئے کہ حقیقہ پولیس کے لوگ یہ انکشاف کرتے ہیں کہ ایک روز، ایک قہوہ خانے میں زید اور عمر کے درمیان ایک مخصوص گفتگو ہوئی ہے۔ لہذا وہ اس "مخصوص بات" کی تحقیق کرنے کے لیے ان تمام افراد کو گرفتار کر لیتے ہیں جو اس قہوہ خانے میں بالعموم آتے رہتے ہیں۔ اور تحقیق کا طریقہ وہی اختیار کیا جاتا ہے جس کا میں بار بار اوپر ذکر کر چکا ہوں۔

ایک اور انتہائی درد انگیز اور حیرت انگیز منظر دیکھنے میں آیا۔ یعنی ابو زعبیل کی جیل میں میں نے دیکھا کہ بیٹا باپ کو تازیانوں سے مار رہا ہے۔ باپ بھی چیخ رہا ہے اور بیٹا بھی چیخ رہا ہے۔ اس منظر کو دیکھنے والے جتنے لوگ تھے ان سب پر مراق سے ملتی جلتی اسی طرح کی کیفیت طاری ہو گئی تھی جس کا ذکر دیستورسکی نے اپنے لٹریچر میں کیا ہے۔

ابو زعبیل کی ایک رات مجھے ہرگز فراموش نہ ہوئی۔ اس رات پوری جیل نظر بندوں سے بھر چکی تھی۔ پولیس والوں کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ ہر شخص اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد دوبارہ یہ حکم جاری ہوا اور پھر اسے ڈنڈوں کی ضرب سے نافرمان کیا جانے لگا۔ آپ کو تو یہ یاد ہو گا کہ جیل کی عمارت قین منزلہ تھی۔ اور تمام بیرکوں کو حکم تھا کہ سب لوگ "اوکھلی" میں جمع ہو جائیں۔ اور مزید بآں سب لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں اور ٹانگوں کے بل (جانوروں کی طرح) صحن میں آئیں۔ اور منہ سے ہکریوں کی آواز نکالیں۔ اوپر سے نیچے اترنے میں کوئی نظم تو تھا نہیں۔ چنانچہ سب لوگ اسی انداز میں اترے۔ ہر آدمی مادر زاد برہنہ تھا۔ اور اس کی آنکھوں پر پٹی تھی ڈنڈوں کی ضربوں اور توہین و تذلیل کی فضا میں ننگے انسانوں کی رد و جیل کی سیڑھیوں پر مظلومی اور بے بسی کے ساتھ نیچے کی جانب بہہ رہی تھی۔ "اوکھلی" کا پورا رقبہ نظر بندوں سے اس قدر بھر گیا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ ان سب افراد کو الگ الگ تازیانے مارنے کا حکم صادر ہوا۔ مگر اس کمٹھن ہم کو سر کرنے کے لیے پولیس کے افراد ناکافی تھے

چنانچہ اس روز جیل کے پورے سٹاف سے مدد لی گئی جن میں سول ملازمین کے علاوہ اسپتال کا سٹاف بھی شامل تھا اور وہ لوگ بھی شریک تھے جو ابو زعبیل کے تنور میں کام کرتے تھے۔ چنانچہ لوگوں کو نہایت وحشیانہ طور پر تازیانے لگائے گئے اور کسی بوڑھے، مریض، زخمی اور بچے کو اس عذاب سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ ہم نے سنا کہ ”قائد عوام“ کی طرف سے یہ احکام صادر ہوئے ہیں کہ عوام کو تازیانے لگائے جائیں۔

اس روز دو ہزار سے زیادہ اشخاص کی پیٹھوں پر تازیانے برسے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی زبانوں پر ہر وقت اللہ کی تسبیح اور حمد جاری رہتی تھی۔ دما نفتموا منہم الا ان یومنوا باللہ العزیز الحمید۔ سب لوگوں کی آنکھیں بندھی ہوئی تھیں اور وہ تازیانوں کی ضربوں کی شدت سے وارفتگی کے عالم میں ٹامک ٹوٹیاں مار رہے تھے۔ جب رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا یا تو ہر شخص کی زبان پر آہ و زاری اور درد و کرب میں ڈوبی صدا میں بلند ہو رہی تھیں۔ مگر کوئی مدد کو پکرنے والا نہ تھا۔ اس انسانی سوز حادثہ کا عینی گواہ ہر وہ شخص ہے جو ستمبر ۱۹۶۵ء کے نصف اول میں ابو زعبیل کی جیل میں رہا ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ ابھی بقیہ حیات ہیں۔ میں اس پولیس افسر کو بھی فراموش نہیں کر سکتا جو نیا نیا بھرتی ہوا تھا اور تعذیب کے دل ہلا دینے والے مناظر دیکھ دیکھ کر جیل کے ایک کونے میں بیٹھا رو رہا تھا۔

ابو زعبیل میں چند میٹر کے فاصلے پر میرے قریب ایک مظلوم نظر بند رات بھر پینے کے لیے پانی مانگتا رہا مگر کسی نگران نے اسے ایک قطرہ آب لا کر نہ دیا۔ جب صبح کی پہلی کرن پھوٹی تو اس شخص کی روح پرواز کر گئی اور وہ ابدی نیند سو گیا۔

انٹیلی جنس نے ابو زعبیل کی جیل میں جن شہریوں کو اپنا ”مہمان“ ٹھہرا رکھا تھا۔ ان میں سے کوئی شخص ۳۱ اگست ۱۹۶۵ء کی بھیاںک رات کو کبھی فرارِ مریش نہ کرے گا۔ یہ وہ تاریخ تھی جب عبدالناصر نے ماسکو میں سوویٹ نوجوانوں کے کلب میں اخوان المسلمون کی سازش کا انکشاف کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ ۱۹۵۴ء میں نوآس نے اخوان کو معاف کر دیا تھا لیکن اس مرتبہ ان کے ساتھ قطعاً رحم دلانہ برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔ اس کی بددھکی درست ثابت ہوئی۔ اس بیان کے بعد ابو زعبیل کی جیل انسانیت کے ذبح خانہ میں تبدیل ہو گئی۔

ابوزعل کی جیل میں میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو بھی تازیانوں کی بوچھاڑ کا نشانہ بنتے دیکھا۔ وہ اور کچھ اور میرے دوست مادر زاد بہنہ تھے۔ اور ان کی پیٹھیں تازیانوں کی زد میں تھیں۔ ابوزعل میں اُس وقت میں مستقبل کے بارے میں ہر امید سے محض دھو بیٹھا جب ہمیں چالان بھیجنے والے افسر کے سپرد کیا گیا۔ جو پولیس افسر ہمیں وصول کر رہا تھا اُس نے وصول کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا۔ اور تمام نظر بندوں کو بڑی توجہ سے گننے لگا۔ مگر چالان افسر نے کہا: "فکر نہ کرو، تعداد کی جو کمی واقع ہوگی میں اُسے پورا کر دوں گا۔" گویا وہ انسانوں کو نہیں بلکہ بکریوں کے ایک ریوڑ کو دوسرے کے حوالے کر رہا تھا۔

ابوزعل میں مجھے ڈاکٹر احمد المصلط جو دل کے آپریشن کے ماہر استاذ ہیں نظر آئے۔ انہیں پاؤں سے ٹھوکریں ماری گئیں، اور پھر ان پر ہر نوعیت کا آلتہ ضرب آزمایا گیا یہاں تک کہ وہ بیچا سے گویا فی سے محروم ہو گئے۔

میں نے سینکڑوں بے گناہ انسان ابوزعل میں دیکھے جنہیں یہ معلوم ہی نہ تھا کہ کس پاداش میں انہیں گرفتار کیا گیا ہے؟ بلکہ خود گرفتار کرنے والے بھی نہ جانتے تھے کہ وہ انہیں کیوں گرفتار کر لائے ہیں؟

(باقی)